

سلامتے کی مار

چودہ ری جلال نے گامے جبیور کے دروازے پر چینچ کر کیا ”اوے میری بات کی سمجھ نہیں آئی تم دونوں جناب جنابی کو۔ میں کوئی فارسی بول ریا ایں یا ہکلا کے گل کری اے میں۔“

گامانچھی ہوئی منجھی پر زور سے ہتھ مار کر بولیا ”بیٹھ توں سکی چودہ ری! باتاں ہوتیاں ای رہن گیاں ساری عمر۔“

”نیں میں بیٹھ نہیں سکتا۔ میرے پاس ٹیم نیں اے پر جو گل میں کری اے تیرے نال اوہد اجواب چاہئے۔ اس وقت، فوراً، اسی ولیے۔“

گامے نے کیا ”چودہ ری جی! کڑی کی ماں کو آجائنا دے۔ اس کے بھائی کا کا کا ڈھیلا مٹھا ہے بچارا۔ وہ کالگ گیا ہے یا رب جانے کوئی جادو نونا کر گیا ہے۔ ٹھیک ہونے میں ہی نہیں آتا۔ یہو آگئی تو میں اس سے گل کر کے سلامتے کا ڈولا تیں کوای دوں گا۔ ایہہ میرا وعدہ اے۔“

” وعدہ تو تیرا چلا آرہا ہے پچھلے تن ہیساں کا“ چودہ ری گڑک کر بولا۔ ”ہوسی انشاء اللہ چودہ ری جی پورا ہوسی، اللہ کے حکم نال پورا ہوسی۔ تم فکر ای نہ کرو رتی بھر کا۔“ گامے نے داڑھی کھجالا کر کیا ”میرے قبضے میں ہے اک بات جس کے زور پر

میں کڑی کی ماں کوں مناکڑھاں گا اور تیرا کم بنا دیاں گا۔

”اور اگر میں کہوں کہ میں تو آج ہی ڈولا لینے آیا ہوں، اسی وقت — پھر؟“

”یہ تو پھر مشکل ہے چوہدری۔ اس کی ماں آجائے۔ کچھ میں بھی حوصلہ پکڑ جاؤں۔

کش آپ بھی رعایت کر جائیں اور موقع کی مناسبتی نال سب کم ٹھیک ٹھاک ہو جائے اللہ نبی کے حکم سار“ یہ کہتے ہوئے جب گاموں نے چوہدری کی آنکھوں میں انگارے دیکھے تو تڑپ کر بولا۔

”میں انکاری نہیں موتیاں والی سرکار۔ مشکل نہیں سکتا تیرے کوں۔ چوہدری کے گھر میری دھی جائے، اس کی پٹ رانی بنے اور کس چیز کی لوڑ ہیگی اس کے پچھے — بے فکرہ چوہدری انشا اللہ تعالیٰ — کچھ دن چھور دیدے۔“

چوہدری جلال نے کیا ”لے پھیر مجھے تو آج ہی ڈولا چاہئے سلامتے کا۔ کل میں عارف والے جانا ایں۔ میری چھوٹی دھی کا وڈا منڈا سنت بیٹھا اے۔ اج دو دھاڑے ہو گئے ایں اور میں جا کوئی نہیں سکیا۔ ہر ایک پچھد اے کہ بیئ نانا کیوں نہیں اپڑیا حالی تیکر، ایس کر کے میں کل عارف والے ضرور جانا ہے۔ توں میرے کوں ابجے ای ڈولا دے دے۔ اج میں جو یعنی ورج ہوں وی اکلا نالے چوبارے کو رنگ رو غن وی کرایا اے۔“

گاموں نے دکھی ہو کر جواب دیا ”سامیں حد کرتا ہے میرے بادشا۔ کس طرح میں چھوری آپ کے ساتھ روانہ کر دوں۔ مولوی بھی اپنے وطن گیا اے چھٹی تے ہزارے۔ اگلے منگل تشریف لیاں تے نکاح دا بندوبست کریں۔ بھلا کتنی دریا اے سامیں۔“

”تیرے واسطے تاں دیر نہیں لیکن میرے واسطے تاں ہے کہ نہیں۔“

”پھیر تاں ڈھیر مشکل اے سامیں۔“

”کیوں؟“

”میں دھی کو بے نکاحی نہیں ٹور سکتا۔“

”اوے گدھڑیا بے نکاحی کنوں؟“ چوہدری گرج کر بولا ”نکاح کرنا ہے اللہ دے فضل نال تے وابجے شہنائیاں لے کے آؤں گا، دوستان یاراں احلفکاراں نال، موقع

مناسب والے دن ”

”پھر انتظار کرو ناہی“ گاموں حوصلہ پا کے بولیا ”مولوی صاحب کوں آئیں دینو۔
نکاح ہو لینے دو۔ کاغذ پتہ بن جائے۔ اس کے پچھے پیکیاں کا کوئی حق ای نیئے رہ
جاتا۔“

”حق آپ لوکاں کا سوال کھ“ چودہری جلال نے کیا ”پر مولوی کے نہ آنے تک میں تو
نیئے رک سکتا ناہ۔ نکاح تو دو چار دن پچھے بھی ہو سکتا ہے“
”ڈولا پسلے نکاح پچھے!“ گاموں حریان ہو کر بولیا۔

”ہاں بھی“ چودہری نے اس کے موہہے پر ہاتھ مار کر کیا۔ ”بڑیاں آسانیاں دیاں
ایں خدا نے انسان کوں پر انسان سمجھ دانیئیں ناشکرا اے۔ اس واسطے دکھ اٹھاندا فریب
کھاندا اے۔ ماریا جاندے اے۔“

گاموں کو چودہری کی بات تے یقین تو نیں آیا پر اوہ اگے سے بولیا نیں۔ شاید چودہری
ٹھیک ہی آکھتا ہو کہ پسلے بھی ڈولا دے سکتے ہیں۔ نکاح بعد مان کر سکتے ہیں ہفتہ دس دن
شر کے۔ یہ علم والیاں کیاں باتاں ہیں۔ کتاباں والیاں کیا۔ کیا پتا ٹھیک ہی ہو سب
پچھے۔

چودہری بڑی تر پھری میں تھا۔ شام کو پھر آگیا۔ گاموں کو باہر بلا کر دی باتیں کرنے
لگا۔ اس نے کیا ”بادشاہا تیرے کوں آکھیا تھا کہ کڑی کی ماں گئی ہوئی ہے۔ اس کو
آجائے دے“۔

چودہری بولا ”تیرے کرنے کا کم ہے۔ تینوں کرنا ہے۔ کوئی ناقصی بات نیں۔ اصل
اصول کا کم ہے۔ حق مرد نا اور ڈولا لینا۔ ایسے پنج ہزار روپے حق مرد کے میں ٹال لے کے
آیا ہوں جو تیرے دل کوں ڈھارس ریئے۔ بے اصولاً کم نہ تھے۔ آئے۔ پکڑ اور ٹکڑا کر
کے ہتھ ڈال، سوسو کے نوٹ ہیں سارے۔“

گاموں نے جد پانچ ہزار کی بھی دیکھی تو کھڑا کھڑا پکھل گیا۔ سوچیا چودہری ٹھیک ہی کتا
ہے۔ پنج ہزار کے پچھے تو کوئی بے اصولی نیئے رہ جاتی۔ رقم پکڑ کر بولیا ”رات کی بانگ پچھے

آجاتا۔ میں کڑی کی بائیاں دے دیاں گا۔ ”
چودہری نے کیا ”بس میری تسلی ہو گئی۔ گل سمجھ آگئی۔ بے فکری ہو گئی۔ رب را کھا“

رات کی عشاء کی بانگ کے بعد چودہری پھر آیا تو گاموں نے ڈر ادھم کا کے اور دم دلاسا دے کے سلامتے کو تیار کر رکھیا تھا۔ چپ چلپ رات کے ہنرے ووج چھوٹی کوں چودہری کی حوصلی دل دھکا دے دیا اور آپ حق مرکی رقم لے کے بیٹھ گیا۔

کوئی گھنٹے بھر بعد مراثیاں کامنڈا گلو حال دھالی کرتا، رو لا ڈالنا سانسا گاموں کی کو خڑی تے آگیا اور ”چاچا چاچا“ کی دوند مچا دی۔ گاموں گھابر کے باہر نکلیں تو آنھن لگا ”چاچا ناں نیرے کوں کوئی علم اے ناں پتتا اے۔ ناں میں چچیاںے کسی تے، سدھاتیرے دروازے تے آگیا ہیگا۔ بڈھا ڈاواں مار ریا اے، رو لا پائی جا ریا اے۔ تیرے کوں باکاں مار دا اے۔ میری جان چھڑا گاموں۔ میری دیہہ بچا۔“

”سلامتے کدھر اے؟“ گاموں نے گھابر کے پچھیا۔

”پتہ نہیں“ گلو بولیا ”اندر ای ہوئے گی۔ میں ڈٹھانیں پر بڈھا آکھتا ہے میری جان مکالی جاندی اے۔ میکوں چھڈ دی نہیں۔ میکوں مار کے سانہ لیسی۔ گاموں کوں بلاو۔ گاموں کوں بلاو۔

ھن بھلامیں کی پتہ اے چاچا سلامتے کی کر رئی ہیگی اندر۔ چھستی کر چودھری کی جان بچا۔“

گاموں سم کے بولیا ”اس ولیے میں کی کراں اور کس طریقے حوصلی اپڑاں۔ سوریے سوریے جا کے حال حقیقت معلوم کر لوں گا“

”سوری تک بڈھا مر قبیکی چاچا“ گلو بولیا ”اوہ بڑی تکلیف ووج ہیگا۔ کہند اے میں معصوم ملوک کوں بکھیاڑی پکڑ لیا اے۔ سنی ووج میری جان چھڑا ویں کوں بچاؤ۔ میرے تے رحم کرو“

”سلامتے دی کوئی آواز پکار۔ گل بلت۔ بول بچن؟“ گاموں نے پر بیتلن ہو کے

چچیا-

”میں کوئی چوبارے تے تھوڑی گیا ایں جو سلامتے کی گل دسان۔“ گلو بولیا ”میں تو چودہری کی کوک فریاد سن کے ای مخفی چھڈ کے اٹھ نسا اور تیرے دروازے تے آگیا ہیگا۔ جلدی کر۔ چودہری کا سل دور کر۔ سلامتے نے چودہری مار پھٹھندا اے۔ اس نے اپنی مردہ زی نیس چھڈنی۔ جا کے چھڑا“ گاموں بولیا ”ہن میں کی کراں۔ اوس سور کی پچ نے ہتھ ایسا پایا ہیگا کہ بندائل نیس سکدا۔ یاں مر گیا یاں توبہ تلاکر کے چھٹ گیا۔ بول میں کی کراں۔ بھلا میں کی پتہ سی اوہ ایسی زہری یہی۔ باہروں بالکل ماؤک۔ بالکل ساؤ۔ اندروں ایسی کپتی۔ میرے آکھیاں اوس چھڈ تھوڑی دینا ہیگا چودہری کوں۔ دعا کرو، نال منت خوشامد کرو۔ چودہری وی نجح جائے۔ گاموںی نجح جائے۔ بڑا بھاری مقدمہ بن سکدا ہیگا میرے پورے ثبرتے۔ آل اولادتے“

گلو ایہہ گل سن کے رولا پاتا، حال دھائی مچاتا پھیر حولی کی طرف نس گیا پر گاموں اپنی تحان تے اسی طرح بیٹھا ریا۔



گرمیوں کی چھنپوں میں جب میں پہلی بار شر
 سرے کوٹھوں میں قلعی کر لی ہوئی تھی۔ سروں پر
 دی تھیں۔ جد میرا یکہ گھر کے دروازے پر آگر ر
 یکے تے اترتے دیکھا پر میرے سرتے مولیٰ چادر نہ
 گیا اور میں تیزی نال یکے تے اتر کے چوکھت نزیک
 ماری پر اندر تے کوئی جواب نہ آیا۔

میری ماں کوٹھے کی کاندھ نال گلی میرے اور وہ
 ماں کے نیزے اپر کے اس کوں دوھاں باھواں ورنہ
 بواتی کیوں نہیں۔ اس نے اپنا آپ چھران دی
 رہیں۔ میری ماں پسلے کدی وی اتنی چپ نہیں ہوئی
 میں واپس آکے یکے وچوں اپنا سمیان کذھیاتے اندر آ
 جس تے بہ کے میں میرک پاس کریا تھا، ایف اے
 بھرے تھے۔

ماں چلپے نیزے گم سم بہ کے بھانڈے مانجن لگ
 چھوٹے ہو گئے تھے تے باھاں سک گیاں تھیں۔ او

چل چلی

تے اپنے کھر آئی تو ابے نے اندر والے
بتل پانی کرایا تھا اور چھست پڑیں گلوا
کا تو میری ماں باہر نکلی۔ اس نے مجھے
پاکے والپس اندر چلی گئی۔ میرا دل کھابر
آن گئی۔ میں اچھی آواز وہی ماں نوں باک

لکھی جاتی تھی اور بالکل چپ تھی۔ میں
جھٹ لیاتے آکھیا ”کی گل اے ماں۔
کوشش ناں کری تے اسی طرح کھڑی
تھی ناں ای اس طرح تم سہ بولی تھی۔
کے کرسی تے بینھا گئی۔ کرسی ادھی تھی
کا امتحان دیا تھا تے پھیسری لی کے فارم

لک گئی۔ اس کا سرنیواں تھا۔ موڑے
و اک گزرواد ہو رہی تھی پر ناں پانی دی

آوازِ آرٹی تھی نہ گزا بھوئیں تے گھن کی کوئی کھڑاک تھی۔ بس اک چپ تھی جنے سارے گھر کو اپنی چپی میں جکڑ رکھیا تھا۔ میں ایک باری پھیر حوصلہ کر کے ھونی آوازِ وچ کیا ”امال“۔ پر اوس سنی ان سنی کر کے سرناو کے ای رکھیا۔ ریت بو کدی رلی۔ گزا دھوتی رلی۔

تحوڑی دیر پچھل میں دروازے تے اپنے ابے کی آواز سنی۔ اوہ اپنے اوس بلند نوں پہنک رینا تھا جو ہر وقت حل حل کے سمیان اتارن نئیں دیتا ہیگا۔ میں بھج کے باہر نکلی۔ میرے ابے نے سراچا کے میکوں ڈھاتے میرے کنے دیکھ کے اچی آوازِ وچ ”بلے بلے“ کیا۔ میرے ابے کی آواز نغارے جیسی ہے۔ جدوہ گاؤں کے ایک کنارے پر بولتا ہے تو اس کی آواز دوسرے کنارے پر سنی جاتی ہے۔ پر آج ابے کی آواز بڑی کمزور تھی۔ ابے نے بر سیم کے پولے اتار اتار کے دروازے پر تھویاں لگانا شروع کر دیں۔ نہ میرے نزدیک آیا نہ پیار دتا۔ نہ کوئی ہور گل کیتی حالانکہ میں پورے چار مینے بعد گھر آئی تھی۔

اندر آ کے میرے ابے نے ماں تے کیا ”میرے جو گاہراک کم ہیگا صفر ان جھٹ شر کے آؤں گا“ ماں نے ھولی آوازِ وچ ”اچھا“ کیا تے کندوری وچ روئیاں رکھن لگ گئی۔ پھیر ماں نے میرے آگے روئی لائی اور پانی والا گلاس لینے چلی گئی۔ پانی لے آئی تے میں پھیر پچھا ”کی گل ہے ماں تو بولتی کیوں نہیں۔ کچھ آکھ۔ کچھ بول۔ کچھ پچھ۔ آج سب کوئی بو گیا بیگا؟“ اس نے مدھم آواز میں کیا ”بوونا کی ہیگا بی بی۔ جو صونا سی اوہ ہو گیا۔ بول بچن کی کوئی تھاں نہیں رہ گئی“۔

میں روئی جا کے بجاندے لجا کے آ لے وچ رکھ دتے ھور سوچنے لگ گئی کہ اس گھر کو کیا ہو گیا۔ جو کوئی میرے سے گل باتتہ ای نہیں کرتا، بولتا ای نہیں۔ اندر والے پنگ کے شیشے میں میں نے اپنا منہ دیکھا۔ بالکل پسلے جیسا ہی تھا۔ رنگت بھی وہی تھی۔ ناک نقشہ بھی پرانا تھا۔ پر میرے اپنے وڑکے میرے اپنے پر کھ پچھ ھور ہو گئے تھے۔ میں اپنے جھولے وچوں انگریزی کتاب کڈھی تے پڑھن لگ گئی۔ ایہہ دو کڑیاں کی کہانی تھی جو ڈاکوں کے گروہ

نال مل کے بنک لوٹا کرتی تھیں۔ میں ان دونوں کمزیوں کے ساتھ اتنی گھری پھنس چکی تھی کہ آتے وقت یکے وچ وی ایسہ کتاب پڑھتی آئی تھی اور اب بھی میرے اندر بے قراری لگی ہوئی تھی۔

نماش ویلے مغرب کی نماز پڑھ کے جداں میرا دیر گھر آیا تے مجھ کوں گھر آئے دیکھ کر بہت خوش ہویا۔ میکوں پتہ تھا اور صاف دستا تھا کہ ویر آکے ضرور میرے نال گل بات کرے گا اور حال احوال پچھے گا۔ اوس میرے کالج بابت، میری زینگ بابت تے میرے امتحان پارے دو تین سوال کیتے پھیرا وہ بھی چپ کر گیا۔ میں اس واسطے شروں اک جوڑا جراباں اور اک کینڈر مورتاں والا لیائی تھی۔ میرے ویر کوں ان شیوں کا بڑا شوق تھا۔ پر جد میں ایسہ دو سیس شیواں سوت کیس وچوں کندھ کے باہر آئی تے اوہ ڈیوڑھی وچ جاریا تھا۔

ابا پنے کام سے مڑ آیا تھا۔ میرا بھاعشاء کی نماز پڑھنے میمت چلا گیا تھا۔ ماں ددھ جما کے منجھ تے پے گئی تھی اور میں اپنے بسترے تے لیٹ کے سوپنے لگ گئی کہ میرے سارے گھر والوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کوئی گل کیوں نہیں کرتے۔ کیا ہو گیا ہے کہ نہ میرے ساتھ بولتے ہیں نہ میرے بنگ بیٹھتے ہیں۔ نہ ہی میکوں اپنے گھر کا بند اسکھتے ہیں۔ ان لوگوں کا ہر دا کیوں بدلتا گیا اے اور ان لوگوں پر کیا وقوعہ گزر گیا ہے کہ میرے سے بے تعلق ہی ہو گئے ہیں۔ پھر میں نے پاسا بدلتا کر کاندھ کی طرف منہ کر لیا اور یاد کرنے لگی کہ ان گھر والوں سے تو باہر کے لوگ ہی اچھے ہیں۔

کل رات جب میں لہور میں تھی تو کیسا اچھا وقت گزر رہا تھا۔ لوہے کے بیوپاری کا لڑکا جو اپنے اباجی سے تھوڑا ای چھوٹا تھا، ہم دونوں سیلیوں کو کھانا کھلانے چینی ہوٹل لے گیا تھا۔ رشیدہ نے تو کوئی زیادہ نہیں کھایا پر میں نے تین چار جیزیں منگوا کر خوب رج کر لھائیں۔ پھر وہ ہم کو اپنی موڑ میں بٹھا کر جھانگیر کے مقبرے لے گیا اور ہم آدھی رات تک چاندنی میں بیٹھ کرتے اور اگسیں مارتے رہے۔ اس کو کتنے اچھے اچھے لفیٹے یاد تھے اور وہ ہربات پر کیسا شراری ہاتھ بڑھاتا تھا اور میں اور رشیدہ دونوں کس طرح باری باری اس کے ہاتھ پر ہاتھ مل

کرنے تھے۔ پھر وہی ہمارا سامان ہوشل سے لے کر ہمیں شیشن پر چھوڑ کر گیا تھا اور اس کی
مریبانی سے ہم اپنے اپنے گاؤں پہنچی تھیں۔ پتہ نہیں میرے گھر والوں کو کیا سانپ سونگھے گیا
کہ میرے سے کوئی بات ایسی نہیں کرتا تھا۔ ان سب نے میرے اندر کیا دیکھ کر منہ سجالیا
تھا۔

ابا پنے کام سے مز آیا تھا اور آتے ہی اپنی منجھی پر ڈیپھ کر سو گیا۔ میں اس ویلے جاگ رہی تھی اور اپنے ابے سے باتیں کرنا چاہ رہی تھی پر اس کی وجہ دیکھ کر میں بھی چپ چاپ پڑی رہی۔

اگلے دن جد نوراں کو پتہ چلیا کہ میں چھٹیوں پر گاؤں آگئی ہوں تو وہ کوکڑے مارتی ہوئی میرے گھر آئی اور میرے ساتھ چمٹ گئی۔ پھر وہ اچانک گھابر کر پرے ہو گئی اور بولی ”تیرے سے کیسی خوبی آری اے صنیہ؟“

میں کیا ”میرے سے اونھی خشبو آرئی اے جو بیشہ آیا کرتی تھی۔ اب کوئی نو دیکھی تو
خشبو گئی خشبو“

اس نے منہ پرے کر کے آکھیا ”ایپہ تو بجان سی خبوب ہے۔ پہلے تو ایسی کدمی نہیں آئی“ میں اس کے منہ تے حوالی جیا ک دھپا ماریا اور دھکادے کے بولی ”تیری نک نوکونی بماری ہو گئی اے، اس کا علاج نردا۔ میرے پنڈے سے ھور کس کی خبوب آئی ہے!“

پھر ہم دو حصیں اس کے کھیت پلی گئیں۔ اس کا بھائی ابراھیم پیلی میں گودی کر ریا تھا۔ میکوں دیکھ کر رنبہ چھٹر کے اٹھیا اور سدھا بمارے نیڑے آگئی۔ اس کے متھے پر پسند تھا اور اس کی جگلی وی اپنے تے بھجی ہوئی تھی۔ کہن لگا ”کی حال اے تیرے شر کا؟“

میں کیا "شراء"۔ پھر اس نے چنلی طرح میرے وجود پر نگہ سٹی۔ من بھر گھور یا
تے واپس جا کے پھر گوڈی کرن لگ گنا۔

جد میں واپس اپنے گھر آئی تے نوراں میکوں ادھی واث وچ ای چھڈ گئی۔ اوس مرے نال کوئی لمبی گل نہیں کئی۔ نال ای اپنے ویاہ کی تریخ بتلائی نہ ای اپنے جنے کا کوئی قصہ نایا۔ حالانک شروع غیر لوک دی بھم نوں اپنے سنگ بھاکے بڑیاں بڑیاں خفیہ اور ڈونگیاں گلاں

کریا کر دے تھے۔ ایدھر کوئی سدھی گل بھی نہیں کر رہا تھا۔

حالی پرسوں شام کی وارتا ہے نویں سال کی رات ہم نے ساری رات اک کوٹھی وچ گزاری۔ ہائی فائی میوزک لا کے بھنگڑے نچے۔ منڈیاں نال گلیاں ڈالیں پھیرتیاں بجا کے اک دوچے نوں لبھیا تے اک دوچے نال کشیاں کیتیاں۔ کشیاں کر دے کر دے سارے ای تھک ش کے اک دوچے کو سربانے بنائے کھنڈ گئے۔ رشیدہ ایس کھیل وچ بھیش کھیڈہ ازتی تھی۔ اپنے آزی کامہ ای نہیں سمجھتی تھی تے اگوں بحث کرن لگ جاتی تھی۔ اچھا جی غیر تے اس طرح کے ملنہار۔ من بھاؤ نے اور دار نے کرن والے تے اپنے گھر والیاں کا ایہہ ودھان میں سدھے منہ گل کرنے کو وی تیار نہیں۔ پھیر اپنے پند آنے کا کی فائدہ! اگلے دن جد میں چاہ چین واسطے انھی تے اپنا ریشمی گون پا کے چلے منے گئے تے میرے اپنے چاہ والا پیالہ بھوکیں تے رکھ کے میری ماں کوں آکھیا ”اج کویلا ہو گیا۔“ میں پھیر آکے چاہ پیوں گا۔ اج کھیت تے بڑائی کم اے“۔ اپا چلا گیا اور بھا باہر نکلے تے منہ دھو کے صافی نال مٹھا پوچھتا اندر آیا۔ میں اوس کوں سلام کیتا۔ اوس سرھلا کے بولے بغیر جواب دتا تے ماں کئے منہ کر کے آکھیا ”ماں اج میرا سر بھارا بھارا اے۔ ہمور متھے پیڑوئی زور ساری ہے اج میں چاہ نہیں پہنی۔ نامہ کرتا ہے“۔ اپنی گل کر کے اوس شستا لے کا اٹھا اچایا تے باہر نکل گیا۔

میں چاہ پیتی۔ پڑھا کھایا۔ جنخو دھوئے تے باہر جا کے اک ایسا نہ نوں بلا کے آکھیا ”پن تے جا کے وکیجہ کیدھر بیبا سلیمان دستا ہے کہ نہیں۔ مل جاوے تے اوس آکھیجہ سفیہ بی بی وائٹے یک لے کے آ جا“۔ ایہہ کہ کے میں اندر آکے اپنیاں شنیاں ساندھن کئے گئی۔

پوکھنی دیر پتھے بیبا سلیمان یکہ لے کے آ جیا۔ میں اپنا سوت نیس تے جھوالے کے باہر نکلی۔ بابے میرا سمیان کیے وچ رکھیا۔ میں پشکی سیت تے بہہ گئی۔ بابے گھوڑے آؤں بر تیم چایا تے اگلی سیت ہیٹھ رکھ دتا۔ میری ماں دروازے نال لگی کھڑی تھی تے اوہ بڑا نہ پلومنہ اگئے کر رکھیا تھا۔ میں اپنی ماں کی بہت اچھی پچھانو بیگی۔ اوہ رہ رفتی تھی۔ میں سروالی

تے ہتھ اچاکے اوس کو سلام کریا۔

بابے گھوڑے کو سانشاماریا۔ یکہ چدیا۔ میں بستی چھڈ کے واپس اپنے اصل پینڈے تے
پاؤ ہو گئی۔ سرتے اک بھار جیسا اتریا۔ میں بلکل پھل ہو کے آشنایاں روشنایاں دیج مل گئی
شکر اللہ تیرا!



اپنی ذات

تمیں سال پسلے مولو تیلی کی شادی جیناں مدھری سے ہوئی تھی۔ پر اس کی گھروالی پورے چار مینے اس کے ساتھ بسا بسائی کر کے ابدل دھوتو کے ساتھ ادھالا کر گئی تھی اور انہوں نے نال والے گاؤں میں اپنا گھر بنایا تھا۔ جد کدی ابدل دھوتو یا اس کی بیوی مولو تیلی کے مکان کے آگے سے لیگھتے، مولو نفرت سے زمین پر تحک کر منہ دوسرے پاسے پھیر لیتا۔ وہ چالیس سال سے اسی گاؤں میں کوامو چلا رہا تھا اور جس طرح اس کے تینوں بلد ایک ہی بھوئیں پر چکر کاٹ کر مر گئے تھے، مولو بھی اسی گاؤں کی گلیوں میں گھوم پھر کر عمر گزار رہا تھا۔ کبھی کبھی جد نبو میراثی اس کے سنگ بیٹھ کر حقہ بجاتے ہوئے شر کی کتحا چھیڑ دیتا تو مولو کے جی میں شر کے دیکھنے تکنے کا چاؤ پیدا ہو جاتا۔ پر کوئی میں پڑی ہوئی سرسوں کی بوریاں اور خالص کلی گھانی کا عشق اس کی راہ مار دیتا اور وہ نیل کی دم مروڑتے ہوئے کہتا۔ ”بچو نبو بے ایمانی کام شیطان کا۔ ایک دن کا تاریث جائے تو بات صدیاں سال پرے چلی جاتی ہے۔ میں شر چلا جاؤں تو میرے چیخپے کون چوڑے والی چونترے تے بیٹھی ہے جو بلد کو جو چرا کے گھانی تکال لے گئی۔“

نبوہس کر کہتا، ”چاچا شر کاظراہ سورگ کا جھوٹا ہے۔ ایک دن کو لھوتہ چلا تو تمہری کون سی بکری بیٹھ جائے گی۔ پلیتہ لگا اس کام کو اور چل ایک بار سردار کے ساتھ۔ سونہ رب کی شر میں ایک سے ایک جان چھلا، ایک سے ایک چوزہ، چاچی کونہ بھول جائے تو میرا سر

اور تیری جوئی۔ ”

مولو ایک دم مز کے کھتا۔ ”لے پھر اسی بات پر قسم کھا جا میں نے کہدی تیری چاچی کو یاد کیا ہے۔ اوئے زور اور۔ ایک نار جو دو سے پھنسی۔ چاہے ستر چاہے اسی۔ بھلا ایسی نار کو گولی نہ مار دوں۔ ”

نبو سر بیٹا کر کھتا۔ ”چاچا تیرا بچہ ہوں چاہے کچھ کہہ لے پر چاچی کی یاد تیرے دل سے گئی نہیں بھانویں تمیں برس لنگھے گئے۔ ”

مولو ہو لے سے آکھتا۔ ”یاد اپنے اختیار کی بات نہیں بچو۔ پر میرا دل اس کافرنی سے بیزار ہے۔ تیری سونہ میں تو اسے دیکھ کر تھوک دیتا ہوں۔ ”

”تھوکنے سے کام نہیں بنتا۔“ نبو کھتا۔ ”تو یوں کر چاچا نکاح کر لے کسی سے اور اگر“

”کس سے کروں نکاح؟“ مولو ٹھوٹ کے پوچھتا۔

”کسی سے کر لے چاچا۔ مدی کی بسن میمار ہو گئی ہے۔ تیری سونہ میرے کنے تیرے جتنا ناداں ہو تو اس کو بانہ سے کپڑ کر اپنے گھر لے آؤں۔“

اور مولو کو لمبوجلتے تیل پکاتے اور موندھے پر صافی رکھ کے لخ کا ذہتے ہوئے مدی کی بسن کے بارے میں سوچنے لگتا۔ لیکن غیر ذات کی عورت پر اس کا دل نہ جمتا تھا۔ پسلے اس نے تین سو دے کر لوباروں کی لڑکی سے بیاہ کیا تھا پر اب وہ ہور رقم بھر کے دوبارہ وہی غلطی کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کوئی اپنی ذات کی تیلیں ہو۔ اس کو لخ کی طرح انھا کر منجی پر چھیند دیا کرے اور پھر اس کے پنڈے پر مالش کر کے اسکو تیار کر دیا کرے۔ پر اس سارے علاقے میں سوائے اس کے اور کوئی تیلی نہ تھا اور اس کے دن رات دگتے کوہلوئے اسے دور دور کے گاؤں کا کبھی دورہ نہ کرنے دیا۔

اس ان توںی دھرتی تے لے دے کے مولو کی کل کائنات ایک کوٹھا اور اس کے چھوڑے ایک کھلاویزا تھا جدھروہ اپنا بلد پاندھ کر اس کے قریب ڈھیلی منجی پر سویا کرتا تھا۔ لیکن اسی ان توںی دھرتی کے اندر اس نے روپوں سے بھرے تین گفرے گاڑر کھے تھے جن کا علم

ہے اس کے اور اس کے ناگوری بلد کے اور کسی کو نہ تھا۔

منجی تے ڈھیسہ کے اس کی نگاہ سردار کے پکے محل پر پڑتی۔ جس کی سب سے اوپر والی مازی کی کھڑکیاں اس کے ویڑے میں کھلتی تھیں۔ پر وہ کھڑکیاں کبھی کھلی نہ تھیں۔ وجہ یہ کہ اس چوبارے میں کوئی نہ رہتا تھا۔ سردار میں نہ صینہ بھرنبو میراثی کے ساتھ شر رہتا۔ اس کے لئے کے مزار عوں کی کڑیوں کے پیچھے مشکلے پھرتے اور ان کی بوڑھی ماں بیڑھیاں چڑھ کر اوپر چوبارے میں جانہ سکتی تھیں۔

آخر ایک دن بھی اپنے پیارے شر اور گھنے سارے گاؤں کو چھوڑ کر سردار کے ساتھ اس کے گاؤں آنے پر راضی ہو گئی۔ سردار نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا اور بھی کالابر قع لے کر اور اس کی ڈوری ٹھوڑی ہیٹھ باندھ کر سردار نال گاؤں آگئی۔ کئی سالوں کے بعد اس چوبارے کی کھڑکیاں کھلیں۔ سب نے آکر سردار کو مبارک بادی اور سردار نے شر جانا چھوڑ دیا۔

چوبارے میں سارا دن گراموفون بجتے لگا۔ کھڑکیوں سے بالوں کے گچھے مولو کے ویڑے میں گرنے لگے اور بھی کی مانی پھول دار قمیفین، رنگ برلنگی شلواریں اور لمبی لمبی سازھیاں سکھانے کے لئے کھڑکیوں میں لٹکانے لگی۔

نو میراثی کو جب حقے کی طلب ہوتی۔ وہ مولو کے یہاں آکر کرتا۔ ”چاچا جس طرح سچی سر کار نے اتنے سالوں کے بعد سردار کی سنی ہے، اللہ مولا تیری بھی سنے اور مدی کی چوڑے والی بسن تیرے گھر آجائے۔“ پر مولو کرتا ”بچو، مدی کی بسن ہو چاہے لندے لاث کی بسن ہو، سب چر سیا یار ہیں۔ دم لگایا اور کھسکے۔ عورت ہو تو اپنی ذات کی۔ نہیں تو جھا بے کی نوئی بھلی۔“

نبو پوچھتا۔ ”پر چاچا اپنی ذات کی عورت کا کوئی گن بھی یتا۔“

مولو منہ پر تیل چڑ کر آکتا۔ ”سن میری بات! مولو نے لوہاروں کی نیار تین سو دے کر بیاں اور وہ چوتھے میںے ایسی گئی جیسے میمت سے جوتی۔ اپنی ذات کی ہو تو بارہ کوس سے نٹھی نٹھی یوں ملنے آتی ہے جیسے بھینس کی طرف کڑڑا۔ تم بیٹوں برابر ہو پر ایک بات سن

لو۔ اگر میری ذات کی کوئی میار چار گاؤں چھوڑ کر بھی ہو گی تو حب کر کے میری دید کرے گی۔ چاہے میرے چنے آگئے ہوں یا میرا آنا ختم ہو گیا ہو۔ ”
نبوہس کر کرتا، ”چاچا تیرا پڑھا تو ہی و چار سکتا ہے۔ ہم تو تیرے آگے گھلکھو ہیں، رتیڑ گھلکھو۔ ”

الله نے سردار کا چوبارہ بسایا تو مولو کا دل بجھ گیا۔ وہ سردار سے پانچ چھ سال بڑا ہو گا لیکن اس کی قسمت سردار سے کئی ہاتھ چھوٹی تھی۔ تیل پکاتے ہوئے اس نے اپنی چڑخ جانکھوں کو دیکھا جو تیل ملنے پر بھی تیار نہ ہوتی تھیں۔ مولو بے آس بے مراد ہو گیا اور دن میں دو گھانیاں نکالنے کے بجائے ایک ہی نکالنے لگا۔ دوپہر تک کام سے فارغ ہو جاتا اور پھر منجی پر لیٹ کر حقہ بجانے لگتا۔

پر ایک شام چوبارے کی کھلی کھڑکی میں سوکھنے والا کوئی کپڑا ہوا کے زور پر بیچے اس کے دیزے میں آگرا۔ وہ بلد کو پٹھے ڈالنے کے لئے اٹھا تو اس نے اس کپڑے کو اٹھا کر غور سے دیکھا اور جھٹا پت سمجھ گیا۔ مولو کو جادو ٹونے پر بڑا اعتقاد تھا۔ سمجھ گیا کہ ابدل دھو تو کی بیوی نے نونا کر کے اس کے بلد کی آنکھوں پر چڑھانے والے کھوپے چڑے سے کپڑے میں تبدیل کر دیئے ہیں۔ لیکن جب اس نے اپنی کوٹھڑی میں آکر چڑے کے کھوپے کو دیوار سے لکلتے دیکھا تو وہ کپڑے کے کھوپے لے کر پھر بلد کے پاس آگیا اور اسے بلد کی آنکھوں پر رکھ کر ڈوریاں سینگوں کے گرد لپیٹنے لگا۔ ڈوریاں کچھ عجیب سی تھیں۔ نہ سینگوں کے گرد لپیٹنے تھیں اور نہ گردن کے گرد پوری آتی تھیں۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اوپر چوبارے کی طرف دیکھا۔ کھڑکی میں اسی طرح کا ایک اور کپڑا زمین پر اترنے کے لئے پھر پھر اڑا رہا تھا۔ مولو نے خوش ہو کر بلد کو تھاڑیا اور کہا ”لے بیٹا، شری سکی، پڑھے میری ذات کی تیلن۔ ”
اور دونوں بائیں بلد کی گردن میں ڈال کر جھومنے لگا۔



جنگ نامہ زیتون

خفیے گجر کی دھی سکیراں بڑی جی دار کڑی تھی۔ منہ ماتھے کی جتنی اچھی، مزاج کی اتنی ہی کڑوی۔ اسی محل سے تنگ آکے سکیراں کی سیلیاں ہر دیلے اس کی برائی کرتیں اور اس کی پیاری سیلی و حاموں کو اک پاسے لجائے طعنے مہنے دیتیں کہ اس نے سکیراں کو سرچڑھا کر خترے پٹی بنادیا ہے۔

اماں طالیاں کے کوٹھے کا پچارا کرتے ہوئے ایک دن جب شادو نے سرپھر بھل اٹھا کر سکیراں کی نقل اتاری تو سب کھل کھلا کر بنس پڑیں۔ سکیراں بڑے آرام سے سیرھی سے اتری اور شادو کو چڑھی پر چڑھا کر ایسی الرٹ بازی دی کہ ممینہ بھراں کی بکھی میں پیڑ اٹھتی رہی۔ اس واقعہ کے بعد سب لڑکیوں کو کان ہو گئے اور وہ سکیراں سے دبنے لگیں۔ پرچھی بات تو یہ ہے کہ سکیراں سے صرف لڑکیاں ہی نہ دہتی تھیں، گاؤں کے سارے گھرو بھی اس سے بات کرتے ہوئے گھراتے تھے۔

چاچا حفنا صبح شام ثم جوت کر شردو دھلے کر جاتا اور ہاتھ تمام دن سویا رہتا۔ بھینسوں کی مٹل سیوا، بڑی بڑی گاگروں کی دونوں وقت صفائی، بر سیم کی بجائی کٹائی اور میر آب سے بدری جھگڑے سکیراں ہی کو پنٹانے پڑتے۔

گاؤں کی جیلان ماکھو کے چھتے جیسی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ کام کرتے ہیں تو روٹی پاتے ہیں اور کچھ آرام کرتے ہیں تو روٹی کھاتے ہیں۔ منہاں میں اور باغو خوشیا تو خیر گاؤں کے پہلوان

تھے۔ کشتی لڑتے تھے، سونچی کھیلتے تھے تو گاؤں کی عزت ہوتی تھی۔ لیکن مندی سوترا یا پتہ نہیں کیا تھا جو گاؤں والے اس پر جان چھڑکتے تھے۔ مازا سا وجود، درمیانہ قدر، منه پر چیچک کے داغ، کندھوں تک لمبے پئے اور عورتوں جیسے ہاتھ۔ پر ایک چیز بڑی زور آور اس کے پاس تھی اور وہ تھیں اس کے شکرے جیسی آنکھیں! ایسی دور مار کہ تھانے دار کے دل کی بات نکال لیں۔ پھر اپنے کوٹھے میں کنگ بجاتا یا کھیتوں پر ہالیوں کو مرزا نانے نکل جاتا اور رات کو جب گاؤں کے سب لوگ شاملات میں اکٹھے ہو جاتے تو چار بول ہیر کے سنا کر سب کی تھکن دوڑ کر دیتا۔

منہا بل، مندی کا پاکاجت تھا اور ہر کام کرنے سے پسلے اس کی صلاح ضرور لیا کرتا۔ جب سے سکیراں کے عشق کا بھوت اس کے سر پر سوار ہوا تھا اس نے مندی کی غیند حرام کر دی تھی۔ آدھی آدھی رات تک وہ سکیراں کو پکڑنے کے طریقے پوچھتا رہتا مگر صبح سکیراں کے سامنے جاتے ہی سب کچھ بھول جاتا۔ سکیراں سے اس کی گل بات دو بولوں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ سورج نکلتے ہی سکیراں کے گھر کا رخ کرتا اور دروازے میں کھڑا ہو کر پوچھتا۔

”سکیراں چاچا شرگیا؟“

اور سکیراں چارہ کانتے ہوئے کہتی ”ہاں“۔ ”تم تم پر گیا ہے؟“ پھر وہ پوچھتا۔

اور سکیراں ٹوک کر کہتی ”نمیں اڑن کھولے تے گیا ہے“ اور منہا بل واپس مندی کے پاس پہنچ جاتا۔ باگو کشتی اور سونچی میں منہے بل کا جوڑ تھا اس لئے اس نے مندی کو یار بنانے کی کوشش نہ کی۔

پاکستان بننے کے بعد لئے خاں میوان کے گاؤں میں آکر بس گیا تھا اس لئے باگونے اس کے ساتھ یارانہ گانٹھ لیا۔ اس گاؤں میں پہنچتے ہی لئے خان کا نام تبدیل ہو گیا تھا اور سب چھوٹے بڑے اسے لا گھیپری کہنے لگے تھے۔ باگو خوشیے کا لا گھیپری کے پاس پہنچ کر کہنا —

”یار گھیچری تمہارے دلیں کے آدمی تو بڑے سیانے ہوتے ہیں کوئی نسخہ سکیراں سے بات کرنے کا بتاؤ۔“

اور للا سر کھجا کر کہتا۔ ”خیر سیانے تو ہمارے گام میں بہت تھے۔ پر اپنے دلیں کی لگائیاں ایسی کھورنہ تھیں۔ سنا ہے مارے بھی ہے۔“

باغونے سینہ تان کر کہا۔ ”مارے سوبار مارے، پر ایسی ججھی مارنہ مارے جو ساری رات سونے نہ دے۔ میں تو جاگ جاگ کر بھگل ہو گیا ہوں“

لالا نے ہنس کر کہا..... ”ارے باغو! تو گدھی کمہار کی، تجھے رام سے کیا کام۔ چپکا سورہیا کر اور لکاڑ دے سکیراں کا خیال، نیس تو باولا ہو جائے گا سالے!“
”ہو جائے گا!“ باغونے حیران ہو کر آکھیا، ”ہو گیا گھیچری ہو گیا۔ کوئی دن کی بات ہے گلیوں کی تھیکریاں اٹھاتا پھروں گا۔“

لالا نے کہا۔ ”تو پھر جادو ٹوٹکا کرو یوں؟“

”ہاہا“ باغونے جیسے ٹھنڈے پانی کا گھونٹ بھر لیا..... ”ایسی ٹپس لگا کر چاچا خفیا رشتنے کے لئے آپ چل کر آئے۔“

لالا نے کہا۔ ”تو پھر چتلی مرغی کا ایک انڈا والا۔“
اور باغو چتلی سکڑی کی تلاش میں نکل گیا۔

سکیراں بھینسوں کے سینگوں کو تیل چپڑ رہی تھی اور دھاموں کھرلی پر بیٹھی دنداسہ مل رہی تھی۔ بھینس نے سرہلایا تو سکیراں نے اس کی تھوتی پر زور سے مکا مارا۔ دھاموں نے ہنس کر کہا۔ ”اس بے چاری پر غصہ کیوں نکلتی ہے۔ یہ کوئی منہا ہے۔“

سکیراں نے کہا۔ ”اپنے ڈھولے کو میرے پلے کیوں باندھتی ہو۔ یاد آتا ہے تو“
دھاموں نے بات کاٹ کر کہا۔ ”اچھا منہا نہ سی باغو سی۔“

”باغو؟“ سکیراں نے حیران ہو کر کہا۔ ”وہ نہذا بھڑ بھڑیا۔“

دھاموں نے کہا۔ ”ہاں“

سکیراں ہنس پڑی اور اس کی طرف منہ پھیر کر کنٹے لگی۔ ”نی پھٹے منہ کسی آدمی کا نام تو

لیا کر۔ ”

دھاموں نے کہا۔ ” لے وہ تیرے بھانویں آدمی ہی نہیں۔ اڑیسے پلوان ہے پلوان۔ ”

سکیراں پھر مسکرائی اور بولی ” لے پھر ایک ڈانگ اسے دے دے اور ایک مجھے، قسم قرآن کی بھبھی نہ کھول دوں تو میں سکیراں نہیں۔ ”

دھاموں نے کہا۔ ” بھلا تجھے ڈانگ سوٹے کی کیا ضرورت، تیرے نہیں مولے چھویوں سے کم ہیں۔ — اچھا چل باگو ہار گیا، منہے یہل سے لڑے گی؟ ”

سکیراں نے کہا ” نا وہ نہانا تو آکا باکا مکنی کا راکھا ہے۔ مجھے تو تمدارے پچھے جیسا لگتا ہے۔ بے زبان گھگھو! ”

دھاموں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ” بخش سکیراں بخش! کوئی ہمارے پچھے جیسا ہے، کوئی نہ ابھڑ بھڑیا ہے۔ آخر گاؤں میں کوئی تیرے جوڑ کا ہے بھی۔ ”

سکیراں نے تیل کی کٹوری کھرلی پر رکھتے ہوئے کہا۔ ” اوں ہوں۔ ”

دھاموں نے کہا۔ ” پھر چل اڑیسے مندی سے تیری صاحب سلام کر دیں، تو ڈھونکی بجا تی ہے وہ کنگ بجا تا ہے سترامیل رہے گا۔ ”

سکیراں نے نہ کہا۔ ” اس سے تو تیرا میرا میل ہی سترہا ہے۔ اس سے تو اچھا تگڑا بھرو ناشتا لے کا بھی نہیں اٹھتا۔ ہاتھ دیکھے ہیں؟ چڑیوں کے پنجے۔ ”

دھاموں نے ناراض ہو کر کہا۔ ” اڑیسے کنگ بجا تا ہے کوئی مورچہ تو نہیں پکرتا۔ ”

سکیراں نے کہا۔ ” نی دھاموں اس کے سر پر چکلکاری دے کر سمجھی کیوں نہ نچایا کریں۔ سرمے دانی جیسی کمریوں مرودڑے کھایا کرے گی۔ ” اس نے انگلی گھمانی۔

دھاموں نے پھر ناراض ہو کر کہا ” نی تو گوجروں کی دھی ہے کہ بازی گروں کی کوئی بات مانتی ہی نہیں، مجھے بھی پچھی پچھی بات نہیں بتاتی۔ ”

سکیراں نے مسکرا کر کہا۔ ” قسم خدا کی کوئی بات نہیں۔ ”

دھاموں نے کھرلی سے ایک تیلی اٹھائی اور اس کے سر پر رکھ کر کہا۔ ” لے تیرے سر